© rasailojaraid.com

عروج وزوال کے الٰہی قوانین

از

جناب مولوی محمد تقی صاحب امینی

(۴)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ فرمایئے برہان بابتہ ماہ نومبر)

مذکورۃ الصدر سورت کو پھر ایک مرتبہ دہرا لیجئے۔

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۱۰۳ اس میں عروج اور بقا کے چار بنیادی اصول مذکور ہیں ان کے نہ پائے جانے کی صورت میں خسران وہلاکت کی خبر دی گئی ہے۔ قرآن حکیم کی روشنی میں چاروں کی بالترتیب تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) ایمان

ایمان قوت وطاقت کا سرچشمہ اور تمام انقلابات وتحریکات کی کامیابی کی جان ہے

قرآن حکیم میں جس حقیقت کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے اس کا مفہوم بے جان تصدیق اور جامد عقیدہ نہیں ہے بلکہ علم وعقیدہ اور معرفت ومحبت کے حسین امتزاج سے جو قلبی اور ذہنی کیفیت پیدا ہوتی ہے دراصل اس کیفیت کا نام ایمان ہے۔

عملی زندگی میں ایمان کا اثران طریقوں سے ظاہر ہوتا ہے،

(۱) مومن کی رگ رگ میں سما کر اس کی پوری دنیا بدل دیتا ہے (۲) تمام خلاف عقاید وتصورات کو یک قلم دل سے مٹا دیتا ہے (۳) ایمانیات کو بروئے کار لانے کے لئے مومن سرتاپا عمل بن جاتا ہے (۴) ہر مقابل اور مخالف طاقت کو دبانے کے لئے تن۔ من۔ دھن کی بازی لگا دیتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قومی اور جماعتی زندگی کا غائر نظر کے ساتھ مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ تمام انقلابات اور تحریکات کی کامیابی کی جان صرف "ایمان" ہے یہی قومی زندگی کی تشکیل کرتا ہے اور اس میں جس قدر پختگی و مضبوطی ہوتی ہے اسی قدر وہ عملی دنیا میں متشکل ہو کر رہتا ہے۔ اس کے پیدا ہونے کے بعد وہ تمام عناصر خود بخود اکٹھا ہو جاتے ہیں جو ترقی کے لئے درکار ہیں[1]۔ یہ اس لئے کہ ایمان کا براہ راست تعلق "عالم النفس" سے ہے جو افکار و احساسات اور تصورات کا مبدأ ہے اور جہاں سب سے پہلے انقلاب کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ جب کسی انقلاب کو خوش آمدید کہنے کے لئے "عالم النفس" کی ٹھیک اصلاح اور تربیت ہو گئی تو پھر "عالم آفاق" کے تمام مرحلے آسانی سے طے ہوتے رہتے ہیں۔

اس لحاظ سے اصل قوت و طاقت کا سرچشمہ صرف ایمان ہے اسی کے ذریعہ صلاحیتیں منظم ہو کر اخلاقیت اور مادیت کی فراہمی کی طرف لگتی ہیں۔ ایمان کے انھیں دور رس نتائج کی بنا پر

---

[1] اس بارے میں "اجتماعیات" کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں،

"قوت ایمانی ایک ایسی قوت ہے کہ جس شخص میں یہ پیدا ہو جاتی ہے اس کی قوت میں دس گنا اضافہ ہو جاتا ہے "انجیل" میں بہت صحیح آیا ہے کہ قوتِ ایمانی پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا سکتی ہے جو لوگ تاریخی انقلاب کے باعث ہوئے وہ چند مسکین اور ایمان دار لوگ تھے جن کی قوتِ ایمانی نہایت مضبوط اور مستحکم تھی یہ "فلاسفہ" کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے مذہب کی ایجاد کریں جو لوگوں کے قلوب پر غلبہ حاصل کرے یا ایسی بڑی بڑی حکومتوں کی بنیاد ڈالے جو دنیا کے اس کنارے سے اس کنارے تک پھیلی ہوئی ہو۔" (روح الاجتماع ص۱۶۱)

"جو شئے ایک سپاہ کو دوسری پر کامیاب رکھتی ہے وہ یہ خارجی مؤثرات نہیں (گو ایک حد تک یہ بھی معین ہوتے ہیں بلکہ ایک اندرونی قوت ہوتی ہے وہ اس امر کا باطنی احساس اور یہ پختہ عقیدہ ہوتا ہے کہ فتح اسی کی ہونا ہے صرف اعتقاد کی قوت جس نے عرب بادیہ نشین کو کسریٰ و قیصر کی ٹڈی دل قواعد داں فوج پر غالب کر دیا۔ وہ کیا چیز ہے جو افریقہ کے وحشیوں کو انگلستان و فرانس کی بہتر سے بہتر سپاہ پر وقتاً فوقتاً غلبہ دے دیتی ہے؟ محض عقیدہ کا استحکام۔"

خود آج (کتاب لکھنے کا زمانہ) تمہاری آنکھوں کے سامنے وہ کیا طلسم ہے جو جرمنی کو ایک دنیا سے مردانہ وار لڑا رہا ہے کیا کثرتِ افواج ہے؟ مگر تعداد کے لحاظ سے تو روس کی سپاہ اس سے بہت زیادہ بیان کی جاتی ہے کیا سائنس دانی ہے؟ کیا روپیہ کی فراوانی ہے؟ کیا ملک کی اقتصادی خوش حالی ہے؟ لیکن ان میں سے کسی حیثیت سے انگلستان و فرانس کی متحدہ طاقت اس سے کمتر نہیں ہے پھر آخر کیا شئے ہے؟ وہ صرف جرمن آبادی کا وہ تعصب ہے جو اس میں انگریزی فرنچ و روسی قوموں کے خلاف عرصہ سے جاں گزیں ہے اور جس کی بنا پر وہ یقین رکھتی ہے کہ وہ اپنے مخالفین کا زور ہمیشہ کے لئے توڑ دے گی۔ (فلسفۂ اجتماع ص۲۰۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر قرآن حکیم نے اس کو بنیاد قرار دیا ہے اور اپنی پوری انقلابی تعلیمات کا محور اور مرکز بنایا ہے۔

ذیل میں چند آیتیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے مذکورہ بالا بیان کی تصدیق ہوتی ہے لیکن پہلے یہ بات سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن حکیم خداوند قدوس کی کتاب ہے اس میں ہر شے کے اونچے سے اونچے معیار کا تذکرہ کیا گیا ہے ایمان وغیرہ کے بارے میں جو کچھ تفصیلات آگے بیان ہوں گی وہ سب درجۂ کمال کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور حقیقی و دائمی قیام و بقار کی ضمانت پیش کرتی ہیں۔

ایمان کا لازمی نتیجہ محبت اور محبوبیت ہے	وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ پ ۲ ع ۱۵	"جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کے دلوں میں سب سے زیادہ اللہ کی محبت ہوتی ہے"

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام ماسوا کے "بت" دل سے نکل کر دل صرف اللہ کا جلوہ گاہ بنے اور اس سے محبت اور تعلق اس قسم کا ہو کہ اس کے مقابلہ میں نہ عزیز سے عزیز ترین تعلقات کی کوئی قیمت رہے اور نہ شان و شوکت والی طاقتوں کی کوئی حیثیت رہے[1]۔ اس مرحلہ پر پہنچنے کے بعد اللہ کا تصور زندگی کے تمام گوشوں میں چھا کر قوتِ نظری اور قوتِ عملی دونوں میں انقلابی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ نیابت الٰہی کے خدوخال

---

[1] ڈاکٹر سلیمان کہتے ہیں:۔

"حقیقت یہ ہے کہ انسان کی اصلی دینداری یہ نہیں ہے کہ وہ کسی معبود کی پرستش کرتا ہے بلکہ انسان میں اصلی دین داری کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے ارادہ، اپنی مرضی اور اپنی ذات کو اُس معبود کی مرضی اور اس کے ارادہ پر چھوڑ دیتا ہے اور اپنی مرضی کو اس کی مرضی کے لئے بالکل فنا کر دیتا ہے جب یہ اعتقادی کیفیت انسان میں پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت تمام دوسرے خیالات کے گرد و غبار سے اس کا شیشۂ دل پاک و صاف ہو جاتا ہے اور اس کے تمام اعمال و افعال کا محور اور مرجع صرف وہی ذات ہوتی ہے جس کی رضا جوئی پر اپنی مرضی اور شخصیت کو فنا کر دیا ہے۔

(روح الاجتماع صـ۲۰)

"قومی اور جماعتی زندگی میں اسی قسم کی دین داری حرکت اور عمل پیدا کر کے زندگی کے تمام عناصر کو جمع کرتی ہے "اجتماعیات" کے باب میں ڈاکٹر موصوف کے ذکر کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ مذہبی آدمی ہیں اور اس بیان سے مذہب کی نشر و اشاعت مقصود ہے بلکہ وہ غیر مذہبی ہونے کے باوجود مذہب کو "اجتماعیات" کے باب میں اثنا دخیل مانتے ہیں۔ ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُبھر کر سامنے آجاتے ہیں جس کی بنا پر فکر و نظر میں وسعت، دل میں قوتِ جذب اور شعور میں بیداری پیدا ہو جاتی ہے اور اخلاق و کردار میں صفاتِ الٰہی کا پرتو دکھائی دیتا ہے اس طرح

"لا یسعنی الا قلب مومن" میری سمائی بجز قلب مومن کے اور کہیں نہیں ہو سکتی ہے

اور "تخلقوا باخلاق اللہ" تم اپنے اندر اللہ جیسے اخلاق پیدا کرو کا عملی مظاہرہ ہونے لگتا ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۲۴

"اے پیغمبر ایمان والوں سے یہ بات کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے تمہارے بھائی تمہاری بیویاں تمہاری برادری تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا ڈر ہے اور تمہارے رہنے کے پسندیدہ مکانات (یہ ساری چیزیں) تمہیں اللہ سے اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو اللہ کے حکم کا انتظار کرو (جو اس تن آسانی اور دنیا طلبی پر آنے والا ہے)"

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اللہ کا حکم قومی زندگی کی موت اور ذلت و خواری کی شکل میں ظاہر ہوگا جیسی تبدیلی ہوگی اسی کی کمی اور بیشی کے لحاظ سے یہ حکم لاگو ہوتا رہے گا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ

"یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرتا ہوا پائیں اگرچہ وہ دشمن ان کے آباو اجداد۔ آل اولاد۔ بھائی بند اور کنبہ قبیلہ ہی کے کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں

© rasailojaraid.com

وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ ۵۹/۲۲ ایمان قایم ہو چکا ہے

حقیقی ایمان انسان کے قلب و وجدان، عقل و فکر، ارادہ و تصرف، قول و فعل، دوستی و دشمنی غرض ساری زندگی پر چھایا ہوا ہوتا ہے۔

قومی زندگی میں حقیقی ایمان کے لئے تربیت ضروری ہے

مذکورہ آیتوں میں جس ایمانی کیفیت کا ذکر کیا گیا ہے قومی زندگی میں اس کیفیت کا پیدا ہونا نہایت دشوار امر ہے اس میں اس وقت تک کامیابی ناممکن ہے جب تک تربیت کا باقاعدہ اور ٹھوس نظام نہ ہو قرآن حکیم نے اسی بنا پر تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کو داعیِ انقلاب کی بعثت کا اہم مقصد بتایا ہے (ویزکیھم) اور اسی بنا پر کہا گیا ہے

قد افلح من زکّھا وقد خاب من دسّھا ۹۱/۹ "وہ شخص کامیاب رہا جس نے اپنے کو برائیوں سے صاف کیا اور وہ ناکام رہا جس کو برائیوں نے دبا لیا"

جن لوگوں کے سامنے انقلاب کی تاریخیں ہیں وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ دنیا کے ہر انقلاب کی پشت پناہی ذہنی تبدیلی اور اخلاقی تربیت کرتی رہی ہے، اسی سے قومی زندگی میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے اور اسی سے شخصیت کی تنظیم ہوتی ہے[عہ] بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ انقلاب کی

عہ فرانسیسی مصنف و مفکر موسیو ڈیمولن نے اپنی کتاب نظام حال ج۲ میں تربیت کے مسئلہ پر نہایت قیمتی بحث کی ہے اور اس کو بقار اور ارتقار کے لئے مدار قرار دیا ہے "روح الاجتماع" میں بھی اس پر کافی بحث موجود ہے۔

یورپ کے انقلاب میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ ذہنی تبدیلی اور اخلاقی تربیت ہے ۱۴۱۲ء میں ہِرگیو نامی مجدد ملت پیدا ہوا اور اس نے بہت کچھ اصلاح کی کوششیں کیں ۱۵۰۰ء میں ہالینڈ میں ہنری ہفتم کے زمانہ میں "اراسمیس" نامی مُصلح دین پیدا ہوا پھر ۱۵۲۰ء میں لوتھر نے اصلاح کا بیڑا اُٹھایا اور اسے مستقل تحریک کی شکل دے دی یہ واقعہ دنیا کے مسلمات میں سے ہے کہ یورپ کی تمام ذہنی اور علمی ترقیوں کا دور مذہبی اصلاح سے شروع ہوا ہے لوتھر اور کلیسا میں بنار، نزاع یہ تھی کہ حق کا معیار کیا ہے؟ کتاب اللہ یا پوپ کا اجتہاد۔ اور اللہ کی کتاب پڑھنے اور سمجھنے کے لئے ہے یا اس لئے ہے کہ سب کچھ پوپ پر چھوڑ دیا جائے۔ اور نجات کا مدار ایمان پر ہے یا پوپ کی سندِ مغفرت پر ہے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس نزاع میں پوپ اور کلیسا کی طرف سے لوتھر پر جو الزامات لگائے گئے تھے ان میں سب سے بڑا یہ الزام تھا کہ وہ اسلام کا پیرو ہو گیا ہے اور قرآن کے مطالعہ سے اس میں یہ گمراہی پیدا ہو گئی ہے۔ (اڈورڈ ہسٹری آف دی ریفارم باب سوم از ترجمان القرآن ج۲)

چونکہ یورپ کے انقلاب میں اخلاقی تربیت کا باقاعدہ اور مسلسل پروگرام زیادہ دنوں نہ باقی رہ سکا تھا اس

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کامیابی اور استحکام کا مدار صرف افراد کی تربیت پر ہے جس قدر افراد کی تربیت کی جاتی ہے اسی قدر انقلاب میں استواری اور پائداری پیدا ہوتی ہے اس خصوص میں فلسفۂ تاریخ کا درج ذیل مسلمہ فیصلہ قابل ذکر ہے۔

"قومیں خطیبانہ بلند آہنگیوں اور جذبات انگیز استعارہ طرازیوں سے نہیں بنتی ہیں بلکہ اپنی تاریخی ماضی کے بعد افراد کی اعلیٰ ذہنی و اخلاقی قابلیتوں سے بنتی ہیں"۔ ۱؎

ایمان پیدا ہونے کے بعد جان اور مال کا سودا ہو جاتا ہے

ایمان کی حقیقت سمجھنے کے لئے درجِ ذیل آیت خاص اہمیت رکھتی ہے

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم
بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ
اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ
حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ
وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ
فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي
بَايَعْتُم بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے اس قیمت پر ان کی جانیں بھی خرید لی ہیں اور ان کا مال بھی کہ ان کے لئے بہشت کی جاودانی زندگی ہے چنانچہ وہ کسی دنیوی مقصد میں نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اس جنگ میں وہ مرتے بھی اور مارتے بھی ہیں یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہو چکا ہے اور توراۃ۔ انجیل اور قرآن تینوں کتابوں میں یکساں طور پر اس کا اعلان ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لئے جلد مضر اثرات نمایاں ہونے لگے جس سے ایک طرف تو تقریباً تمام نوآبادیات میں، تہلکہ مچ گیا اور ترقیات کی اسکیموں میں ان کے مرہونِ منت ہونے کے باوجود عام لوگوں کو خود مختاری میں عافیت نظر آنے لگی اور دوسری طرف "ردِ عمل" کے طور پر "ایشیا" میں ایک دوسرے انقلاب کی بنیاد پڑی۔ چوں کہ یورپ کی پشت پناہی مذہب کر رہا تھا اور اس حقیقت کو انقلاب روس کے خداوندوں نے نہایت باریک بینی سے دیکھ لیا تھا اس لئے نئے دور کے آغاز میں مذہب سے بے توجہی برتتے ہوئے ان لوگوں نے دوسری راہوں سے ذہنی اور اخلاقی تبدیلیاں کیں اور کسی حد تک انقلاب کو کامیاب بنایا لیکن اس میں کمال یہ دکھلایا کہ لامذہبیت کو مذہب بنا کر پیش کیا جس کی بنا پر لوگوں نے مذہب کی طرح نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

۱؎ از فلسفۂ اجتماع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس مومنو تمہیں اس سودے پر خوشیاں منانا چاہیئے ۹/۱۱۱

کیوں کہ یہ بہت بڑی کامیابی ہے عہ

اس آیت میں ایمان والی زندگی کا عجیب و غریب فلسفہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ حقیقی ایمان پیدا ہونے کے بعد نہ جان اپنی رہ جاتی ہے اور نہ مال اس طرح پر کہ ہر ایک کا سودا ہو جاتا ہے اس کی قیمت طے ہو جاتی ہے اب مومن کا فقط اتنا کام باقی رہتا ہے کہ اسباب حوالہ کر کے اس کی قیمت وصول کر لے۔

ترک جان و ترک مال و ترک سر — در طریق عشق اول منزل است

یہ طرزِ تعبیر نفسیاتی لحاظ سے کس قدر دور رس نتائج کا حامل ہے؟ اور کیا کوئی قوم زندگی کے بارے میں ایسا فلسفۂ حیات اپنانے کے باوجود ذلیل و خوار اور ہلاک ہو سکتی ہے؟

حقیقی ایمان ہجرت جہاد اور نصرت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے

اسی بناء پر مومن کے واسطے مندرجہ ذیل آیات میں ہجرت - جہاد اور نصرت کو لازمی قرار دیا گیا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ حقیقی ایمان کا مدار اور موقوف علیہ بتایا گیا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۸

جو لوگ ایمان لائے اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا۔ جہاد کیا - لوگوں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی حقیقت میں یہی سچے مومن ہیں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۴۹/۱۶

ایمان والے وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہیں پڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں

عہ یہاں اس شبہ کی گنجائش نہیں کہ بغیر مال دیکھے ہوئے اس کا سودا کیسے ہو گیا کیوں کہ ایک مدت تک نسلِ انسانی کے باپ حضرت آدم کو ٹریننگ کے لئے وہیں رکھا گیا تھا اور معراج میں رسول اللہ کو بحیثیت کیپٹن کے ڈائرکٹر تک دکھا دیا گیا تھا یہ دونوں شخصیتیں ایسی ہیں کہ ان کا دیکھنا گویا سب کا دیکھنا ہے ۱۲۔

© rasailojaraid.com

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِہِمْ وَاَنْفُسِہِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۹/۲۱

جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جان و مال سے جہاد کیا ان کے لئے اللہ کے نزدیک بڑا درجہ ہے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

تینوں آیتوں میں بالترتیب "ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا"، "ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ" اور "ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ" سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہجرت، جہاد اور نصرت کے بغیر نہ تو حقیقی ایمان کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی قوم کامیابی کی منزل سے ہم کنار ہو سکتی ہے۔

انھیں تینوں کے ذریعہ قومیں عروج اور بقا حاصل کرتی ہیں	اس سلسلہ میں اگر آپ دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہر قوم اپنے عروج و بقا کے لئے انھیں تینوں کو کسی نہ کسی شکل میں اپناتی ہوئی نظر آئے گی۔

۱۔ ہجرت ۔ مقصد کی خاطر ترک و اختیار کی کسوٹی پر پورا اترنا حتیٰ کہ گھر بار چھوڑنے کی نوبت آ جائے تو اس سے بھی دریغ نہ کرنا۔

۲۔ نصرت ۔ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور مشکلات و مصائب کے وقت انھیں سنبھالے رکھنا یعنی زندگی کی تشکیل باہمی تعاون و تشارک اور ایثار و قربانی کی بنیادوں پر ہونا۔

۳۔ جہاد ۔ مقصد کے حصول کے لئے ہر قسم کی انتہائی جد و جہد کرنا ہاتھ پاؤں سے اسی کے لئے دوڑ دھوپ کی جائے زبان و قلم سے اسی کی تبلیغ کی جائے عقل و دماغ سے اس کے لئے تدبیریں سوچی جائیں غرض تمام امکانی وسائل اس بارے میں صرف کئے جائیں اور ہر مزاحمت کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے حتیٰ کہ جب جان کی بازی لگانے کا وقت آ جائے تو اس میں بھی کسی طرح کا دریغ نہ کیا جائے۔

ایں شربت عاشقی ست خسرو — بے خون جگر چشید نتواں

جہاد کا مفہوم قتال سے بہت زیادہ وسیع اور عام ہے، بدقسمتی سے لوگوں نے اس کو قتال کا ہم معنی سمجھ لیا ہے جس کی بنا پر چند در چند غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں اور بالآخر مدافعانہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جارحانہ کی تقسیم پر مجبور ہوئے ہیں حالاں کہ غور سے دیکھا جائے تو یہ ایسی فطری حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ دنیا کی ہر قوم اس کی محتاج ہے اور اسی پر عمل کرکے وہ اپنے عروج و بقار کی منزلیں طے کرتی ہے

ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی سب سے پہلی تقریر میں فرمایا تھا

"اے لوگو غور سے سن لو دنیا کی جو قوم جہاد کرنا ترک کردیتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل وخوار اور رسوا کردیتا ہے۔"

درج ذیل آیت سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۳۹/۹

اے ایمان والو تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں قدم اٹھاؤ تو تمہارے پاؤں بوجھل ہو کر زمین پکڑ لیتے ہیں کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیوی زندگی پر ریجھ گئے ہو حالانکہ دنیوی زندگی کی متاع تو اس کے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہے اگر اس راہ میں قدم نہ اٹھاؤ گے تو یاد رکھو کہ اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کردے گا اور تمہاری جگہ کسی دوسرے گروہ (قوم) کو لا کھڑا کرے گا اور پھر تم اس کا کچھ نہ کرسکو گے وہ ہر شے پر قادر ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس موقع پر قابلِ لحاظ نکتہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے "جہاد فی سبیل اللہ" کا حکم دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ساری جدوجہد فتنہ وفساد کے ختم کرنے اور رحمت الٰہی کو عام کرنے کے لئے کی جائے نہ کہ ذاتی و قومی اقتدار اور ملک گیری کے لئے جیسا کہ دنیا کی قوموں اور حکومتوں کا دستور رہا ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ

جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ وفساد نہ رہے اور اللہ کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الدین للہ ۲/۱۹۳ راج قائم ہو جائے۔

جہاد کی غرض و غایت داعیِ انقلاب ؐ نے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا (الحدیث) تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔

نفسانی جذبات اور انتقامی جوش کے ماتحت جہاد کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے بلکہ صرف "اعلاء کلمۃ اللہ" کی خاطر اللہ کی مرضی اور اس کے مقررہ اصول کے مطابق کیا جائے۔

چنانچہ اس بارے میں جو اصول وضوابط مقرر ہیں اور دورِ اول کے مسلمانوں نے جس طرح اس کو عملی جامہ پہنایا ہے اُس سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ "جہاد فی سبیل اللہ" فتنہ وفساد کے ختم کرنے کا بہترین ذریعہ اور رحمتِ الٰہی کو عام کرنے کا بہترین وسیلہ ہے جس کے بغیر نہ صالح تمدن پیدا ہو سکتا ہے اور نہ نشو و ارتقار کی منزلیں طے ہو سکتی ہیں۔

یورپ کے متعصب مؤرخوں نے جہاد کے بارے میں ناقابل معافی حد تک تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا ہے اور اسلام پر یہ غلط الزام لگانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ وہ وحشت وبربریت کا مذہب ہے اور اس کی اشاعت میں تلوار کو زیادہ دخل رہا ہے اسی کی نقالی آج کل کے متعصب اور حقیقت سے ناآشنا مؤرخ کر رہے ہیں۔

ان مؤرخوں نے نہ تو کبھی یہ جاننے کی کوشش کی کہ جہاد کی حقیقت کیا ہے؟۔ اور قومی زندگی میں اس کا کیا مقام ہے؟ نیز شرعی نقطۂ نظر سے کسی کو مسلمان بنانے کے لئے جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں اور نہ قرآن حکیم کے اس اعلان پر دیانتداری کے ساتھ غور کیا

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین کے معاملہ میں جبر اور زبردستی نہیں ہے

بلکہ اگر کسی نے تنگ نظری اور تعصب کی بنار پر ابتدار میں کوئی بات لکھ دی اور وہ لوگوں کے جذبات اور نفسیاتی کیفیات کے موافق ہوئی تو بس آخر تک اس کی نقل در نقل ہوتی رہی اور وہی بات لوگوں کی دین وایمان بن گئی۔

اجتماعیات کے ماہرین جانتے ہیں کہ قومی تعصب نے دوسری قوم کے تاریخی حقایق پر پردہ ڈالنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کس قدر چابکدستی دکھلائی ہے۔

اور اس حقیقت سے تو "علم النفس" کا ادنیٰ طالب علم بھی واقف ہے کہ قومی زندگی کے اصلی وصف دو ہیں (۱) ذی شعور ذات اور نقاد ذہن کا معدوم ہو جانا۔ (۲) احساسات وجذبات کا قوم اور جماعت کے مقصد وحید کے اندر فنا ہو جانا[1] ایسی حالت میں جامد دماغ اور مقلد طبیعتوں نے جہاد کے خلاف کچھ لکھ دیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ان لوگوں میں نہ تو قوت وجسارت تھی اور نہ روشن دماغی اور تنقیدی نظر کہ قومی وملکی تمام حد بندیوں سے گذر کر چشمۂ آفتاب کو اس کی اصلی اور صحیح شکل میں دیکھ سکتے۔

تاریخ کے لکھنے میں جن لوگوں نے ذرا جسارت سے کام لے کر اپنی قوتِ فکری پر زور دیا ہے ان کے سامنے جہاد کی اصل حقیقت واضح ہو گئی ہے چنانچہ یورپ کے دوسرے بہت سے مؤرخوں (ڈاکٹر گبن، ڈاکٹر موسیو سیدیو، سیل صاحب "الفنسٹن" وغیرہ) نے جنھوں نے اسلامی تہذیب وتمدن اور اجتماعیات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے انھوں نے نہ صرف یہ کہ اسلام اور جہاد کے بارے میں بیش بہا معلومات فراہم کئے ہیں بلکہ ان متعصبین کے اقوال اور غلط استدلال کا دندان شکن جواب دیا ہے۔

چند واقعات وحقایق سے استشہاد

ذیل میں چند واقعات اور اعداد وشمار دئے جاتے ہیں۔

(۱) یرموک اور اجنادین کے میدانوں میں بازنطینی حکومت سے مقابلہ ہو رہا تھا لیکن شام کے لوگ محبت کے پیام اور بلاوے بھیج رہے تھے بُصرا کے لوگوں نے اپنے دروازے خود ہی کھول دئے تھے حمص کے باشندوں نے مسلمانوں کی آمد کے لئے منتیں اور سماجتیں کی تھیں طرابلس کی آبادیاں پہلے ہی سے منتظر تھیں صور کے پھاٹک بند ہی نہیں کئے گئے تھے۔ جب مصر کا رُخ ہوا تو وہاں کے عیسائیوں نے آگے بڑھ کر استقبال کیا[2]۔ اسی طرح تاریخ میں بہت سی ان قوموں کا ذکر ملتا ہے جن پر مسلمانوں نے نہ کبھی فوج کشی کی اور نہ اس کا خیال ظاہر

[1] روح الاجتماع صفحہ ۵۶ [2] ترجمان القرآن ج ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے باوجود لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔

اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ اسلام خوف و دہشت کی طاقت نہیں ہے بلکہ رحمت و عدالت کا پیام ہے جس کی بنا پر وقت کی تمام مظلوم آبادیوں نے نجات دہندہ سمجھکر اسکو خوش آمدید کہا تھا۔

(۲) تاتاریوں نے پچاس سال تک جس شدت کے ساتھ اسلام کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں اور اسلامی حکومتوں کو تباہ و برباد کیا اس سے تاریخ کا طالب علم اچھی طرح واقف ہے لیکن حکومت واقتدار کے زمانہ میں ان لوگوں کا اسلام قبول کرنا یعنی حاکم کا محکوم کے دین میں داخل ہونا اسلام کی حقانیت وصداقت کا معمولی کارنامہ نہیں ہے

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے　　پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

(۳) ہندوستان میں آٹھ سو سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی اس کے باوجود مسلمان اقلیت میں ہیں اگر اسلام کی اشاعت میں تلوار کو دخل ہوتا تو آج عددی پوزیشن یہ نہ ہوتی اور اقلیت واکثریت کی بحث کبھی کی ختم ہو گئی ہوتی۔

(۴) اسلام میں قانونی نقطۂ نظر سے مسلمان بنانے کے لئے جہاد کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ شکل "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" کے منافی ہے اور ان بنیادی اصولوں کے خلاف ہے جو اسلام نے جہاد کے لئے مقرر کئے ہیں تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

چند ماہرین کے اقوال اور تاریخی شہادتیں یہ ہیں

چند ماہرین کے اقوال اور تاریخی دستاویزی شہادتیں

حضرت عمرؓ کے آخری زمانہ یا حضرت عثمانؓ کے ابتدائی زمانہ میں ایک نسطوری پادری نے جو تاثرات سپرد کاغذ کئے تھے وہ اتفاق سے محفوظ ہیں ان سے اسلام کی عالمگیر رحمت اور افادیت کا پتہ چلتا ہے نیز یہ کہ اسلام کی نشر واشاعت میں کس بات کو دخل رہا ہے؟ وہ یہ ہیں

"یہ طائی (عرب) جن کو خدا نے آج کل حکومت عطا کی ہے وہ ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں لیکن وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عیسائی مذہب سے مطلق برسرپیکار نہیں بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں ہمارے پادریوں اور مقدس لوگوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں۔"[1]

اسی طرح کی ایک اور شہادت زمانۂ حال کے ایک متعصب رومن کیتھولک پادری نے کلیسائی تاریخ وجغرافیہ کے قاموس میں یہ دی ہے۔

"مسلمان عربوں کو یعقوبی (جاکوبائٹ) عیسائیوں نے بھی اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا مسلمانوں کی سب سے اہم جدت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا یہ تھی کہ ہر مذہب کے پیروؤں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا جائے اور اس مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیاوی اور عدالتی اقتدارات عطا کئے جائیں۔"[2]

غور فرمائیے۔ خود مختار وحدت کے تصور کو دنیا کے سامنے سب سے پہلے عملی طور پر اسلام نے پیش کیا ہے اور وہ بھی اُس دور میں جس کو آج کل کے متجددین غیر مہذب و ناتربیت یافتہ دور کہتے ہیں آج کل کی مہذب و تربیت یافتہ دنیا غیر مذہب والوں کے ساتھ اس قسم کی وسعت اور فراخ حوصلگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی ہے۔

فرانسیسی مصنف "موسیو سیدیو" نے اپنی کتاب تاریخ عرب میں لکھا ہے

"دین اسلام کو وحشی مذہب کہنے والوں کی نابینائیِ قلب اور حق سے کان بند کر لینے اور راہ راست سے ہٹ کر پھسل جانے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ قرآن مجید میں ایسی آیتیں ہیں جو عربوں کی گذشتہ عاداتِ بد کی ناسخ ہیں مثلاً انتقام کا جذبہ کھلم کھلا ظلم کرنا جو یورپ میں پہلے بھی تھا اور ڈوئل Duel کی صورت میں اب بھی موجود ہے۔"[3]

پروفیسر "واکر" نے قانون بین الممالک کی تاریخ لکھتے ہوئے یہ ملاحظہ پیش کیا ہے

"متمدن اور مہذب سلطنتوں پر وحشیوں کا دھاوا بولنا اور غالب آکر سلطنت وحکومت کا مالک بن جانا تاریخ کا ایک عادتی واقعہ ہے لیکن جرمنوں، تاتاریوں وغیرہ وحشیوں کے برخلاف عجیب بات یہ ہے کہ

---

[1] عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص۱۴۸ بحوالہ پادری اسمعانی اور دخویے کی کتاب [2] حوالہ بالا بحوالہ فرانسیسی قاموس
[3] تاریخ عرب ص۱۰۷

© rasailojaraid.com

عرب کے بدو جب یک بیک اپنے صحرائے اعظم سے بیرون میں امنڈنے لگے (خلافت راشدہ کے زمانہ میں) تو ان عربی فاتحین کو عام تصور کے وحشی فاتحین میں کسی طرح نہیں شامل کیا جاسکتا ہے کیوں کہ ان وحشی بدوؤں میں پہلے ہی دن سے ان کے مفتوحوں سے بھی بڑھ کر تہذیب اور اخلاقِ حسنہ نظر آتے ہیں۔[۲۳]

ذیل میں چند اعداد و شمار دئے جاتے ہیں جن سے جہاد کی حقیقت واضح ہونے میں مدد ملے گی

جنگ سے ہلاک شدگان کا تقابلی مطالعہ

داعیِ انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی دس سالہ زندگی میں ایک نہیں چوبیس[۲۴] جہاد کئے اس عرصہ میں آپ کا اقتدار شہر مدینہ سے پھیل کر جزیرہ نمائے عرب اور جنوبی فلسطین کے دس لاکھ مربع میل کے رقبے پر محیط ہوگیا تھا (فتوحات کی روزانہ اوسط ۲۷۵ میل ہوتی ہے) لیکن اس پوری فتح میں دشمن کے بمشکل ڈھائی سو آدمی مارے گئے اور اگر بیر معونہ میں دھوکے سے اور جنگ احد میں فوجی نافرمانی کے نتیجہ میں بھگ دوڑ کے وقت جو ۱۳۰ مسلمان شہید کئے گئے تھے انھیں مستثنیٰ کر دیا جائے تو مسلمان شہداء کی تعداد بمشکل ۱۰۰ تک پہنچتی ہے۔[۲۵]

ان لڑائیوں میں تمام اضافتوں کو حذف کر کے شہداء اور مقتولین کی جو زیادہ سے زیادہ تعداد بتائی جاتی ہے وہ ۱۰۴۸ ہے اس میں مسلم شہداء کی تعداد ۱۲۵ ہے اور دشمن مقتولین کی تعداد نو سو تیئیس[۲۶] ۹۲۳ ہے جب کہ مفتوحہ علاقہ کی آبادی یقیناً کئی ملین تھی اور آج کی طرح فوجی وغیر فوجی کی تقسیم نہ تھی بلکہ کل آبادی فوجی ہوتی تھی۔

ان اعداد و شمار کے مقابلے میں فرانس اور امریکہ کو جمہوریت قائم کرنے میں اور انگلستان کو پارلیمنٹ کا نظام اپنانے میں جتنے خون بہانے پڑے اور پچھلی جنگ عظیم اور حال کی جنگ کوریا وغیرہ میں جو خون کی ہولی کھیلی گئی ان کے دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ واقعی رحمتِ الٰہی کا ایک پہلو اور فتنہ و فساد ختم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یورپ کے دورِ جاہلیت میں اصلاحی تحریک کے روکنے کے لئے جو محکمۂ احتساب قائم کیا گیا تھا اس کے احکام سے جو نفوس ہلاک کئے گئے "جان ڈیون پورٹ" نے اپنی کتاب اپالوجی آف محمد اینڈ قرآن میں[۲۷] ان کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتائی ہے جو عیسائیوں کی عیسائیوں کے ہاتھوں ہوئی تھی صرف اسپین میں اس محکمہ کی کارگزاری کا خلاصہ یہ ہے ۳۱۹۱۲ افراد زندہ جلائے گئے ۱۷۶۵۹ افراد کی تصویریں جلائی گئیں اور ۲۹۱۲۵۰ [illegible]

[۲۳] [illegible] ۱۹۱۵ء [illegible]
[۲۴] عہد نبوی میں نظام حکمرانی [illegible]
[۲۵] قانون بین الممالک [illegible] اور عہد نبوی میں نظام حکمرانی [illegible]
[۲۶] الانقلاب [illegible]
[۲۷] [illegible]

© rasailojaraid.com